ملتان کے عظیم صوفی شاعر فخر الدین عراقی ملتانیؒ

لفظ اسلام لغوی اعتبار سے سلم سے ماخوذ ہے۔ 'سلم'، اپنے 'س' پر زبر یا پھر زیر لگا کر دو انداز میں پڑھا جاتا ہے:

(i)۔ سَلم: جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں۔

(ii)۔ سِلم: جس کے معنی اطاعت، داخل ہوجانے اور بندگی کے ہیں۔

اسلام امن وسلامتی کے معنوں میں قرآن مجید کی سورت الانفال کی آیت ۶۱ میں ان الفاظ میں آیا ہے:

وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ.

(اور اگر جھکیں صلح (امن) کی طرف تو تم بھی جھک جاؤ اس کی طرف اور اللہ پر بھروسہ کرو)

اسلام اطاعت وفرمانبرداری کے معنوں میں قرآن مجید کی سورت البقرہ کی آیت ۲۰۸ میں ان الفاظ میں آیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ.

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

اسلام کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔ دراصل ایمانیات سے مراد وہ عقائد ہیں جن پر کامل اعتقاد (زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق) رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ ان عقائد کو مانے بغیر کوئی بھی شخص اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ احسان بھی تعلق باللہ کا لازمی جز ہے۔ حدیث جبریل میں ارشاد ہے: کہ سفید کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی آیا۔ ہم میں سے کوئی اسے نہ جانتا تھا اور اس پر سفر کے اثرات بھی نہ تھے۔ اس نے حضور نبی کریم ﷺ سے مختلف سوالات پوچھے۔ انہی سوالات میں سے ایک یہ تھا: مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (صحیح بخاری، ج:۱، رقم الحدیث: ۴۹ حدیث متواتر)

احسان کو اخلاص، تزکیہ نفس اور تصوف وسلوک سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ دراصل احسان اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد سے وابستگی اور شریعت کی فرمانبرداری کے بعد اللہ پاک کی توجہ سے پیدا ہوتی ہے اور بندے کو اپنے معبود کی قربت عطا کرتی ہے۔ اس سے ایمان واسلام کی ظاہری صورت (یعنی عبادات اور حقوق انسانی) کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے۔ عبادات کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندے کو معبود کی کامل قربت اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔

لفظ صوفی یا تصوف کے بارے میں علما و محققین کی مختلف آرا ہیں۔ کچھ لوگ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ صوفی صوف (اون) کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز کی صف اول میں ہونے کی وجہ سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ سے نسبت کی وجہ سے صوفی کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں لفظ صوفی صفا (پاک پاز) سے ہے۔ اس کی ضد میل ہے چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق اور معاملات کو صاف رکھتے ہیں اور دل کی بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں اس لیے صوفی کہلاتے ہیں۔

حضرت ابوعلی احمد رودباریؒ فرماتے ہیں، تصوف یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے محبوب کے در پر دھرنا دے کر بیٹھ جائے خواہ اسے دھکے ہی کیوں نہ پڑیں۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں دل میں کسی بھی چیز کا غم رکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے لو لگانا (محبت کرنا) تصوف کہلاتا ہے۔ حضرت ابن جلاؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقیر کے مرتبہ پر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سبب پر نظر نہیں رکھتا۔ چنانچہ ایسے کو صوفی کہتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ باطن کا اللہ تعالیٰ سے جُڑ جانا تصوف ہے۔ یہ کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب حق کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے اسباب سے بے تعلق ہو چکا ہو۔

اگر ہم تصوف کے لفظ کو چھوڑ کر جو دوسری صدی میں استعمال ہونا شروع ہوا، براہِ راست قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف رجوع کریں اور کتاب وسنت کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے ایک اہم رکن کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتا ہے اور اس کو تزکیہ نفس سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ.(سورۃ الجمعہ، آیت:۲)

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا، جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے)

پاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کیا جائے اور برے اخلاق (رذائل) سے پاک کیا جائے۔جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں اور جس کے نتیجے کے طور پر ایسا صالح، پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا، دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم قرآن، علم حدیث وفقہ وغیرہ جدا جدا نہ تھے بلکہ بعد کے زمانے میں قرآن مجید اور حدیث سے اخذ کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ نام سے پکارا جانے لگا۔ان علوم کے بنانے والوں کو سب نے امام مانا۔بالکل اسی طرح تزکیہ نفس کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگانِ دین گزرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے، جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، شیخ ابوبکر شبلیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ وغیرہ۔جس طرح دیگر علوم کا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک خاص نام ہو گیا جیسا کہ علم فقہ اور علم حدیث، اسی طرح مشائخ کرامؒ کے تزکیہ نفس کے طریقہ کا نام تصوف ہو گیا۔

اسلام کا اصل مقصد بندے کو اس کے رب سے جوڑنا ہے۔اس کا کچھ حصہ ظاہری شریعت (قانون) سے متعلق ہے اور کچھ حصہ باطنی اخلاقیات یا روحانیات سے جسے تصوف بھی کہا جاتا ہے۔شریعت بنیادی فریم ورک عطا کرتی ہے تاکہ انسان بھٹکنے سے بچ جائے۔لیکن زیادہ اخلاقی ترقی کا دارومدار انسان کی اپنی روحانی طلب پر ہے۔جتنی طلب ہو گی اتنی ہی زیادہ ترقی ہو گی۔تصوف روحانی طلب وترقی سے بحث کرتا ہے۔

ہمارے ہاں تصوف اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے اللہ پاک کی کائنات وانسانیت سے تعلق بڑھانے کی بجائے ترک دنیا کا سبق دینے لگا۔حالانکہ اصل تصوف دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال کے ترک کی تعلیم دیتا تھا۔اس غلط تصوف کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم دنیا پر اضمحلال (سستی) طاری ہونے لگا۔اقبال کے بقول مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سقوطِ بغداد کے بعد غلط تصوف کا حصہ ہے۔جس زمانے میں مغرب میں علوم فطرت سے ترقی ہو رہی تھی ہم لذت سکر میں جیتے رہے۔ہم مجموعی طور پر عالمی عمل سے بیگانہ رہے۔ہمارے تصوف نے کائنات میں غور وفکر کی بجائے خواب اور کشف پر زور دیا۔غلط صوفیانہ تصورات سے ہمارے اندر جو مزاج پیدا ہوا وہ غیر سائنسی تھا بلکہ ضد سائنس تھا۔سائنس انسان کو خارجی مظاہر قدرت کی طرف مائل کرتی ہے۔ہم نے ساری توانائیاں باطن کی طرف موڑ دیں اور باطن کا سفر کہیں ختم نہ کیا۔

ملتان شریف تصوف کا مرکز ہے۔عرب اور شمالی خراسان سے اولیائے کرامؒ ملتان کے راستے ہندوستان آتے تھے۔ان میں کچھ یہیں رہ گئے۔ملتان میں بہت سے عظیم اولیائے کرامؒ دفن ہیں جبکہ بہت سے اولیائے کرامؒ ایسے ہیں جو کچھ عرصہ ملتان میں قیام پذیر رہے اور یہاں سے تربیت پا کر دنیا میں پھیل گئے۔ان میں حضرت امیر خسروؒ، قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت فرید الدین گنج شکر وغیرہ ہیں۔ایسے اولیائے کرامؒ میں ایک عظیم نام فخر الدین عراقیؒ کا ہے۔

آپؒ کا اصلی نام ابراہیم بن بزرگ مہرؒ ہے۔آپؒ کی پیدائش مرکزی ایران کے صوبہ اراک (Arak) میں ہوئی جو ہمدان اور تہران کے پاس ہے۔اس لیے آپؒ کو ہمدانی بھی کہتے ہیں۔آپؒ کی پیدائش اراک کے گاؤں کوہ جان میں 610AH / 1213AD میں ہوئی۔آپؒ فخر الدین عراقی کے نام سے مشہور ہیں۔اصل میں اراکی ہے جس کو عربی میں عراقی کہا جانے لگا۔

آپؒ نے سات سال کی مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے ایک مدرسہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔آپؒ قلندروں اور ملنگوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہندوستان کی سیاحت کے لیے ملتان تشریف لائے اور حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کی صحبت میں پہنچے۔حضرت شیخ نے ان کو خلوت (چلہ) میں بٹھا دیا۔دس دن کے بعد ان پر وجد طاری ہو گیا اور حال کے غلبہ میں آپ نے ایک مایہ ناز غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

نخستین باده کاندر جام کردن
زچشم مست ساقی دام کردند

(سب سے پہلی شراب جو جام میں ڈالی گئی)
(وہ ساقی کی چشمِ مست سے کشید کی گئی تھی)

آپؒ اس غزل کے پہلے شعر کو بلند آواز سے پڑھتے اور روتے تھے۔ جب خانقاہ والوں نے یہ آواز سنی تو اس کو حضرت شیخ بہاؤالدینؒ کے طریقہ کے خلاف سمجھ کر حضرت شیخ کو شکایت کی کیونکہ آپؒ کے سلسلہ میں چلہ کشی میں صرف ذکر اور مراقبہ ہوتا تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ باتیں تم کو منع ہیں اور عراقی کو منع نہیں ہیں۔ جب چند دن گزرے تو حضرت شیخ کے ایک خاص مرید کا گزر شراب خانہ کے پاس سے ہوا اور سنا کہ اس غزل کو شرابی اپنی موسیقی کی محفل میں گا رہے ہیں۔ اس مرید نے آکر حضرت شیخ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ میں نے تو بتا دیا ہے باقی حضرت شیخ کی مرضی۔ حضرت شیخ نے پوچھا کہ تم نے کیا سنا۔ پھر کہو! مرید نے غزل سنانی شروع کی جب اس شعر تک پہنچا:

چو خود کردند راز خویشن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند؟
(جب خود ہی اپنا راز فاش کر دیا)
(تو عراقی کو کیوں بدنام کرتے ہیں)

حضرت شیخ نے فرمایا کہ عراقی کا کام پورا ہو گیا۔ آپؒ اٹھے اور عراقی کے خلوت کدہ کے دروازہ پر آئے اور فرمایا کہ عراقی تم اپنی مناجات شراب خانہ میں کرتے ہو۔ اب تم باہر نکل آؤ۔ عراقی باہر نکلے اور حضرت شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے ان کے سر کو اٹھایا۔ اپنے تن مبارک سے خرقہ اتار کر ان کو پہنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد اپنی صاحبزادی کا نکاح اس سے کر دیا۔ جس سے آپؒ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کبیر الدین رکھا گیا۔ آپؒ شیخ کی خدمت میں 25 سال رہے۔ حضرت شیخ کی وفات قریب پہنچی تو عراقی کو بلایا اور اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت بہاؤالدینؒ کی وفات پر آپؒ نے ایک طویل مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

چون نالم؟ چرا نگریم زار؟
چون نمویم؟ کہ می نیابم یار
(میں کیوں نہ روؤں، میری حالت خراب کیوں نہ ہو)
(میں کیوں خراب نہ ہوں کیونکہ مجھے اپنا دوست نہیں مل رہا)

کارم از دست رفت و دست از کار
دیدہ بی نور ماند و دل بی یار
(میرے ہاتھ سے کام نکل گیا اور کام ہاتھ سے نکل گیا)
(میری آنکھ بے نور ہو گئی اور میرا دل دوست سے محروم ہو گیا)

دیدہ مصطفی بہ تو روشن
شادمان از تو انبیای کرام
(حضرت مصطفیٰ ﷺ کی آنکھ آپ سے روشن ہے)
(آپؒ سے انبیاء کرام خوش ہیں)

قطبشان صدر صفہ ملکوت
کہ مقامش عرش برتر باد

(آپ عظیم قطب ہیں۔ آپ کی صفات فرشتوں جیسی ہیں)
(آپؒ کا مقام عرش سے بلند تر ہے)

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد آپؒ ترکی کے شہر قونیہ چلے گئے اور مولانا جلال الدین رومی بلخیؒ سے ملے اور شیخ الاکبر علی الدین ابن عربیؒ کے شاگرد خاص حضرت صدرالدین قونویؒ سے مزید تعلیم پانے لگے۔ آپؒ مولانا رومؒ کی محفل سماع میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ آپؒ نے مولانا رومؒ کے جنازہ میں بھی شرکت کی۔ علاقہ کا منگولی ترک گورنر معین الدین پروانہ آپؒ کا مرید بن گیا جس نے حضرت صدرالدینؒ کی وفات کے بعد آپؒ کے لیے دقات (توکات؛ شمالی ترکی) میں ایک شاندار خانقاہ بنوائی۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپؒ مصر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آخر کار دمشق (شام) چلے گئے۔ جہاں آپؒ کے بیٹے کبیرالدین بھی آ کر مل گئے۔ آپؒ ملتان کو چھوڑنے کے بعد ملتان کو یاد کرتے اور یہ اشعار پڑھتے رہتے:

گرچہ بیماری، ای نسیم سحر
خبر من بمولتان برسان
(اے نسیم سحر! میں بیمار ہوں)
(آپ میری خبر ملتان پہنچا دے)

بجناب بزرگ قدوۂ دین
بندگی ہای بیکراں برسان
(اس بزرگ کی خدمت میں جو دین کی عزت ہے)
(ان کو میری بے پناہ بندگی پہنچا دیں)

آپؒ کا دمشق میں 688AH / 1289 AD میں انتقال ہوا۔ آپؒ شیخ ابن عربی کے پہلو میں دمشق کے محلہ صالحیہ میں دفن ہوئے۔ جہاں آپؒ کا مزار مبارک آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

آپؒ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

(۱)۔ دیوان عراقی۔ جس میں 5800 غزلیہ شعر ہیں۔ جس میں سے اکثر شعر انہوں نے ملتان شریف میں کہے۔ اس دیوان کی وجہ سے آپؒ کو فارسی زبان کے چند عظیم شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپؒ کی شاعری میں مجازی عشق کی زبان استعمال کی گئی ہے۔

(۲)۔ عشاق نامہ۔ جس میں کچھ غزلیات ہیں اور کچھ مثنویات جس کا آربری (A. J. Arbery) نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے:

(The Songs of Lovers, Oxford, 1939)

(۳)۔ اصطلاحات، اس کتاب میں تصوف کی اصطلاحات کی تعریف اور شرح کی گئی ہے۔

(۴)۔ لمعات۔ یہ آپؒ کی بہت مشہور کتاب ہے جس میں نثر اور شعر ملا جلا ہے۔ یہ کتاب حضرت صدرالدین قونویؒ کے ان دروس کی روشنی میں لکھی گئی ہے جو آپؒ حضرت ابن عربیؒ کی کتاب فصوص الحکم کی شرح میں دیتے تھے۔ اس کتاب کے فصوص الحکم کی طرح کل اٹھائیس (28) ابواب ہیں۔ عراقی نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ یہ کتاب شیخ احمد غزالیؒ (امام ابوحامد غزالیؒ کے چھوٹے بھائی) کی کتاب سوانح کی طرز پر لکھ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں محبت و عشق کو زیر بحث لاتی ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت حضرت ابن عربیؒ اور احمد غزالیؒ کی تعلیمات کو یکجا کرنے کی کوشش ہے۔ اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ کی شرح سب سے مشہور ہے۔

عراقیؒ ایک عارف باللہ تھے جو محبت کی زبان بولتے تھے۔ ان کے نزدیک محبت علم کا لازمی جزو ہے۔ کائنات ایک پردہ نہیں ہے بلکہ خالق و مالک حقیقی کی اعلیٰ صفات کا آئینہ ہے۔ آپؒ کے تصوف میں ایک خاص طرح کا قلندرانہ مزاج تھا جس میں حضرت بہاؤالدینؒ کی وجہ سے ایک اعتدال قائم ہو گیا تھا۔ آپؒ اپنے

مزاج میں بنیادی طور پر ایک صاحب جذب ولی تھے جو ہر وقت وجد کے کیف میں رہتے ہیں۔ حسن کے ہر اظہار میں شدید کشش محسوس کرتے تھے اور حضرت بہاؤ الدینؒ نے اپنی تربیت کی وجہ سے ان کا محبوب بدل دیا اور آپؒ کی عاشقانہ مزاج میں ایک بلندی پیدا کر دی۔ حضرت شیخ نے ان کو سمجھا دیا کہ اصل جمال کیا ہے اور اصل جمال کے تقاضے کیا ہیں۔ حضرت شیخ کی تربیت کی وجہ سے آپؒ کی شدید جذبہ بھری عاشقانہ طبیعت عرفانی بن گئی اور جس کا اظہار ایک اعلیٰ پایہ کی مجازی شاعری میں ہوا جس کا اصل مفہوم عرفانی تھا۔ حضرت فخر الدین عراقیؒ اپنے شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور ملتان میں 25 سال قیام کی وجہ سے ایک باکمال صوفی اور شاعر بنے۔ اس لیے میں ان کو حضرت فخر الدین عراقی ملتانیؒ کہتا ہوں۔

به آں گروہِ کہ از بادہِ وفا مستند
سلامِ ما برسانید ہرکجا ہستند
(وہ گروہ جو وفا کے ساغر سے مست ہوا)
(اس کو میرا سلام پہنچایئے جہاں بھی ہو)

ظفراللہ خان

خانقاہ اسلام آباد

7 اکتوبر 2020